دورِ جدید کا فکری چیلنج اور دینی مدارس

پروفیسر ڈاکٹر حافظ شبیر احمد جامعی

دینی مدارس: ان مدارس کا وجود ہی اسلامی تعلیمات کی بقا کا ضامن ہے اور یہ محض کوئی مشغلہ یا دھندہ نہیں جسے بعض لوگ اپنائے ہوئے ہیں بلکہ یہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریق عمل کی صدائے بازگشت ہے۔ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت کے فرائض میں دین کی تعلیم کو بنیادی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں متعدد جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت کے ذیل میں یہ تذکرہ موجود ہے کہ "هو الذي بعث في الأميين رسولا منهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة "، تعلیم کتاب وحکمت سے قرآن وسنت کی تعلیم ہی مراد ہے اور اسی امر کی تکمیل کے لیے خود معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں باقاعدہ ایک ادارہ "صفہ" مسجد نبوی میں قائم کیا، جس میں سینکڑوں طلبہ، علوم دینیہ کی تحصیل کے لیے اقامت پذیر ہوتے اور انھیں معلم اوّل سید کائنات خود تعلیم سے آراستہ کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی معلمانہ حیثیت اور منصب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "انما بعثت معلما" کہ بے شک مجھے اللہ تعالیٰ نے معلم بنا کر مبعوث کیا ہے۔

مدینہ طیبہ کے علاوہ گرد و پیش کے قبائل کی تعلیم وتعلم کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم باضابطہ معلمین مقرر کرتے جو انہیں دینی علوم وفرائض سے آگاہ کرتے۔ آنجناب علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد خلافت راشدہ کے عہد میں تعلیم وتعلم کا یہ سلسلہ پوری اسلامی ریاست میں پھیلا دیا گیا جس کے بڑے مراکز مدینہ طیبہ کے علاوہ مکہ معظمہ، کوفہ، بصرہ، بغداد اور دیگر شہروں میں تھے۔ جہاں جلیل القدر صحابہ کرامؓ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے آگاہی مہیا کرتے اور پہلی صدی کے آخر تک ایسے سینکڑوں مراکز معرض وجود میں آچکے تھے جہاں علوم اسلامیہ کی تحصیل کے لیے دور دراز کا سفر کرکے طالبان علوم دینیہ کشاں کشاں آتے اور قرآن وسنت کے انوار سے معمور قلب ونظر کے ساتھ اپنے اپنے علاقوں میں واپس جاکر اس روشنی سے اندھیروں کو اجالوں سے بدل دیتے اور یہ فریضہ امت مسلمہ نے اس تسلسل اور محنت کے ساتھ ادا کیا کہ جس کی کوئی نظیر علم کی دنیا میں نہیں ملتی اور یہ فرض امت مسلمہ پر خود رب العالمین نے عائد کیا تھا، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين و لينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم لعلهم يحذرون" (التوبة ۹:۱۲۲) "ایسا کیوں نہ ہوا کہ آبادی کے ہر حصے میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس

جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تا کہ وہ بھی محتاط (اسلامی روایات پر مبنی) زندگی بسر کرتے۔‘‘

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو واضح طور پر حکم دیئے گئے ہیں۔ایک یہ کہ وہ ایسے ادارے قائم کریں جہاں علوم دینیہ کی تعلیم اور دین کا شعور دیا جاتا ہو۔اور دوسرا یہ کہ ایسے علاقوں کے لوگ جہاں دینی تعلیم کا بندوبست نہیں، وہاں سے کچھ افراد کو لازماً علوم دینیہ کی تحصیل کے لیے بھیجیں تا کہ وہ قرآن وسنت کا شعور حاصل کرنے کے بعد واپس پلٹ کر اپنی قوم کو اسلامی حکامات سے آگاہ کریں۔خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس علم کو فرض قرار دیا ہے وہ بھی اساسی طور پر علم دین ہی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طلب العلم فريضة على كل مسلم، و في رواية ومسلمة۔

قرآن وسنت کے ان واضح احکام اور امت مسلمہ کے تسلسل اور تعامل سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کوئی مشکل کام نہیں کہ دینی مدارس کا وجود اسلام کی بقاء اور احیاء کا تقاضا ہے۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور امت مسلمہ کی شاندار اور تابندہ روایت ہی اسلامی تہذیب وثقافت کی علامت ہے۔

مگر ہمارے مغربی تہذیب کے دلدادہ حکمران اور ان کے ناکندہ تراش مرعوب ذہن اس حقیقت کو جانتے ہوئے ان مدارس اسلامیہ کا وجود مٹانے کے درپے ہیں اور اس کے لیے وہ ہر طرح کے حربے اور ہر نوع کے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔اس لیے کہ دینی اداروں سے فراغت حاصل کرنے والے علماء اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے باوجود اپنی تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں، یہ امت اسلامیہ میں مغربی اثر ونفوذ اور اباحیت پسندی کی راہ میں حائل ہیں۔وہ دنیا میں مظلوم اور انسانی حقوق سے محروم قوموں کے حامی و مددگار اور ان تمام جہادی قوتوں کے ممد ومعاون ہیں جو دنیا میں حق طلبی، حق پرستی اور اپنے دینی اور ایمانی تشخص کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

دو صدیوں کی طویل محنت اور جدوجہد اور جہاد کے نتیجے میں دینی مدارس نے ملک کے علمی اداروں میں نمایاں اور مؤثر مقام حاصل کر لیا ہے۔انگریزی دور استبداد میں علماء نے خشک روٹیاں کھا کر اور پیٹ پر پتھر باندھ کر تعلیم وتعلم اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔فقر وفاقہ اور کسمپرسی کے عالم میں تشنگان علوم دینیہ نے اس شان سے علم حاصل کیا کہ آسمان علم پر سورج اور چاند بن کر چمکے۔مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا عبدالحئی لکھنوی، مولانا عبدالحق خیرآبادی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی، مفتی نذیر حسین دہلوی، علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع دیوبندی، علامہ ابوالحسنات قادری، مولانا داود غزنوی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا گوہر رحمٰن، مولانا امین احسن اصلاحی اور اسی سلسلۂ کہکشاں کے ہزاروں ستارے آسمان پر جگمگ جگمگ کرتے نظر آتے ہیں۔یہ انہی جلیل القدر اور عظیم المرتبت علماء کا فیض ہے کہ سرزمین پاکستان، جس میں انگلیوں پر گنے جانے والے چند مدارس تھے جو مساجد سے ملحق عمارات میں ہوتے تھے۔آج ملک کا چپہ چپہ ان مدارس کے نور سے منور ہے اور ایک ایک مدرسہ ایک ایک یونی ورسٹی کا منظر پیش کر رہا ہے۔

انگریزی اخبارات میں مدارس کے خلاف مہم: انگریزی اخبارات میں کالم نویسوں کی ایک بڑی تعداد دینی مدارس، اسلامی تحریک اور اسلامی اقدار و روایات اور شعائر اسلام کے خلاف سرگرم عمل رہتے ہیں۔ ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں: ۱۔ مفتاح اسماعیل: روزنامہ ڈان ،۲۔ امینہ جیلانی۔ روزنامہ ڈان، ۳۔ اکرام الحق، روزنامہ دی نیشن ،۴۔ اسماعیل خان، روزنامہ دی نیوز، ۵۔ اقبال احمد، روزنامہ ڈان، ۶۔ پروفیسر رفیع اللہ شہاب، روزنامہ دی نیشن، ۷۔ عامر میر، دی فرائیڈے ٹائمز، ۸۔ ڈاکٹر یاسمین کیانی، روزنامہ ڈان ،۹۔ عذرا سید، روزنامہ دی نیوز ،۱۰۔ ڈاکٹر ثمن یزدانی، دی فرائیڈے ٹائمز، ۱۱۔ سبا سرور، روزنامہ دی نیوز ،۱۲۔ رفیع صفدر، روزنامہ دی نیوز ،۱۳۔ عبدالجلیل ملک، روزنامہ دی نیشن۔

مریکہ اور حکومت پاکستان کے عزائم: ماہنامہ ساحل کراچی، امریکی سینٹروں اور کارل انڈر فرتھ کی سرگرمیوں کو بیان تے ہوئے لکھتا ہے:

''پاکستان پر گذشتہ پچاس برس سے مغربی استعمار کے گماشتوں کی حکمرانی ہے۔ طاقت واختیار کے مراکز پر مغرب کی تیار شدہ اقلیت کی حکمرانی ہے، مگر اس حکمرانی کا دائرہ آج تک عوام کے قلب وذہن تک وسیع نہیں ہوسکا۔ اس کی وسعت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ چھوٹے چھوٹے مدرسے اور چھوٹی چھوٹی مساجد ہیں جہاں سے پانچوں وقت اذان کی آواز بلند ہوتی ہے اور کسی بستی میں یہ حادثہ رونما نہیں کہ مسجد میں اذان کی آواز بلند نہ ہوئی ہو، کبھی جماعت سے نماز ملتوی ہوگئی ہو اور کبھی تعطیل کے باعث مسجد و مدرسہ پر تالا پڑ گیا ہو۔ آندھی بارش، طوفان، ہنگامے، زلزلے، سیلاب اور جنگوں کے زمانوں میں بھی ان مساجد سے اللہ کا نام بلند ہوتا رہا ہے اور ان مساجد و مدارس کے بوریا نشین علماء کے سامنے، ریاست کی قوت کو بھی کبھی نہ کبھی سجدہ کے لیے حاضر ہونا پڑتا ہے۔

اسلام آباد پر ان دنوں امریکہ کے وفود کی یلغار ہوگئی ہے۔ حکمران ڈیموکریٹک پارٹی کے چار سینٹر کا وفد ٹام ڈیشل کی سربراہی میں، اس کے بعد ری پبلک پارٹی کے سینٹر ٹام براؤن میک کا وفد، پھر برطانیہ کے چیف آف ڈیفنس اسٹاف جنرل چارلس لوتھرائی کی آمد اور اب دفتر خارجہ کے رابطہ کار برائے انسداد دہشت گردی مائیکل شیہان کی آمد، مساجد و مدارس کے حوالے سے نہایت اہم ہے۔ آنے والے تمام وفود خواہ وہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری، پاکستان دوست تھے یا دشمن، کلنٹن انتظامیہ (اب بش انتظامیہ) کے حامی تھے یا مخالف، جنرل پرویز مشرف حکومت سے ان کا پہلا مطالبہ یہ تھا کہ مدارس کو پابند کیا جائے اور ان مدارس سے اٹھنے والی جہادی تحریکوں اور قوتوں پر مکمل پابندی عائد کی جائے۔ صرف یہی نہیں امریکی سینٹروں اور اب نائب وزیر خارجہ انڈر فرتھ نے صاف صاف لفظوں میں حرکۃ الانصار، حزب المجاہدین نامی تنظیموں پر مکمل پابندی عائد کرنے کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ پاکستان کو اپنی حدود میں سرگرم مسلح اسلامی گرہوں کو کچلنا ہوگا جو بین الاقوامی

برادری کے لیے ایک بڑا خطرہ بن چکے ہیں۔ہمیں امید ہے کہ پاکستان ایسے انتہا پسند گروہوں کے خلاف کارروائی کرے گا جو تشدد کے واقعات میں ملوث ہیں۔اس موقع پر انھوں نے حرکۃ الانصار اور حرکۃ المجاہدین جیسی تنظیموں کو انتہا پسند کہہ کر ان پر پابندی کا مطالبہ کیا (جو مشرف حکومت نے پورا کر دیا)۔(ماہنامہ ''ساحل''،ص ۷۱،فروری ۲۰۰۰ء)

لیفٹننٹ جنرل ضیاء الدین جو کہ آئی ایس آئی کے سابق سربراہ ہیں،امریکہ کی سی آئی اے کی دعوت پر امریکہ کے دورہ پر گئے۔انھوں نے امریکی قانون سازوں سے پاکستان کی بنیاد پرست اسلامی عناصر کو کنٹرول کرنے کے لیے مدد طلب کی۔(روزنامہ ''ڈان'' ۲۶ ستمبر ۱۹۹۹ء) مغربی اسکالروں کی جانب داری ملاحظہ فرمائیں۔لارڈ ویلیمز ایس میگ لکھتے ہیں:''یہ دنیا تشدد سے بھرپور ہے،مشرقی تیمور میں قتل عام،روس میں بم دھماکے میں ۳۰۰ روسیوں کی چیچنیا کے دہشت گردوں کے ہاتھوں ہلاکت،کوسوو میں پہلے البانوی،بعد میں بعد میں سرب باشندوں کا صفایا،کشمیر میں بنیاد پرست مسلم پاکستان اور بنیاد پرست ہندوستان کا مقابلہ وغیرہ وغیرہ۔(روزنامہ ''ڈان'' ۲۶ ستمبر ۱۹۹۹ء)

پاک و ہند کے مدارس کا امتیاز آزادی ہے۔انھوں نے غلامی کو کبھی قبول نہیں کیا۔انھیں مدارس کی بدولت آج دین اور دینی تہذیب زندہ ہے۔ان کا وجود مٹا کر یہ توقع عبث ہوگی کہ پھر اسلام اور اسلامی تہذیب کا وجود برقرار رہ سکے گا اور جو قوم اپنے ماضی کی درخشاں روایات کو نظر انداز کرنے کی خوگر بن جائے وہ اپنا ملی تشخص اور قومی وقار بھی برقرار نہیں رکھ سکتی،اور ایک دریوزہ گر اور لاوارث قوم بن کر رہ جاتی ہے۔بتدریج جس کی شناخت بھی تحلیل ہو کر رہ جاتی ہے۔

علامہ اقبال مرحوم نے حکیم احمد شجاع صاحب مرحوم سابق سیکریٹری پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی سے بچشم تر فرمایا تھا:

''ان (دینی) مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو۔غریب مسلمانوں کے بچوں کو اپنے مکتبوں میں پڑھنے دو۔اگر یہ ملا اور یہ درویش نہ رہے،تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔اگر مسلمان ان مکتبوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح جس طرح ہسپانیہ میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور الحمراء اور الاخوتین کے سوا۔اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا۔اسی طرح یہاں بھی اسلامی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا''۔

ہم سمجھتے ہیں کہ دینی مدارس کے خلاف یہ دانستہ یا نادانستہ چلائی جانے والی مہم ایک بین الاقوامی کفر کی اس سازش کا نتیجہ ہے جو اسلام کے ان قلعوں سے ابھرتی ہوئی احیاء اسلام کی تحریکوں سے خوف زدہ ہو کر کی جارہی ہے اور ہمارے نادان حکمران بلاوجہ کٹھ پتلی کے روپ میں خود فروش،خدا فراموش اور اسلام دشمن بن کر ناچ رہے ہیں۔

میری عادت نہیں زخموں پہ نمک پاشی کی — کیا کروں داغ اگر یہ نہ دکھاؤں تجھ کو
جو ترا فرض ہے وہ یاد دلاؤں تجھ کو — میں نے یہ قصہ کہا اس لیے ہو کر مجبور

پس چہ باید کرد:سب سے اہم چیز یہ ہے کہ کسی حالت میں بھی اللہ سے مایوس نہ ہوا جائے اور جدوجہد سے کسی صورت

میں بھی پہلو تہی نہ کی جائے۔ مومن کی قوت کا سب سے بڑا ذریعہ اللہ رب العزت سے گہرا تعلق ہے اور اس کا وعدہ ہے کہ اہل ایمان اور اہل تقویٰ کا مستقبل ہر حال میں روشن ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور اگر اہل ایمان صحیح طریقے سے جدوجہد کریں تو انہیں آخرت کی کامیابیوں کے ساتھ دنیا میں بھی کامرانی حاصل ہوگی۔ اس لیے حالات کیسے ہی مشکل اور ناسازگار ہوں، اہل ایمان کے لیے مایوسی کی گنجائش نہیں۔ قرآن کے الفاظ میں مایوسی کفر ہے۔ ﴿انــه لاییأس من روح اللّٰه الاّ القوم الکافرون الرعد﴾ اور اللہ کی رحمت کا دروازہ ہر لمحے کھلا ہوا ہے ﴿لاتقنطوا من رحمة اللّٰه ﴾ ہر حال میں مؤمن کی نظر اپنے اللہ کے وعدے، اس کی نصرت ومدد، اس کی اعانت وسرپرستی اور اس کی رضا وخوشنودی پر ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو اس کی زندگی کے ہر لمحے کو روشن اور اس کے ہر قدم کو تابناک مستقبل کی طرف پیش رفت بنا دیتی ہے۔ یہ اللہ کا ہم پر بڑا انعام ہے، رحم ہے اور فضل ہے کہ اس نے ہماری کمزوریوں کی بنا پر ہم کو کسی ایسی آزمائش میں نہیں ڈالا جو ہماری استطاعت سے بڑھ کر ہو۔ انسان کی فطرت کا لحاظ کرتے ہوئے، اس نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمیں زمین میں خلافت اور تمکن عطا کرے گا تا کہ لیظھره علی الدینکله کہ اس دین کو دوسرے تمام طریقوں کے اوپر غالب کرنا اس کی سنت اور وعدہ ہے۔ یہ ساری چیزیں بھی مسلمان کا مقدر ہیں، ہماری تاریخ اور جدوجہد کا حصہ ہیں۔ مستقبل امت مسلمہ کا ہے، اکیسویں صدی اسلام کی صدی ہے۔ مستقبل کی تابناکی کے بارے میں ایک مؤمن کو ایک پل کے لیے بھی شک اور خوف میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ یقیناً مشکلات ہیں، مسائل ہیں، پریشانیاں ہیں، فکری چیلنجز اور تصادم ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ ایمان کی قوت، اللہ پر بھروسا اور اللہ کا یہ وعدہ کہ مایوس کبھی نہ ہونا، ہمت نہ ہارنا اور تابناک مستقبل کا خواب ہی نہیں دیکھتے رہنا، بلکہ اس کے لیے سرگرم عمل ہو جانا، یہ مسلمان کی شخصیت کا لازمی حصہ ہیں۔ تو کیسی ہی پریشانیاں اور کیسی ہی مشکلات کیوں نہ ہوں، لیکن ہماری نگاہ اسلام کے روشن مستقبل ہی پر ہونی چاہیے

﴿ولاتھنوا ولا تحزنوا وأنتم الأعلون إن کنتم مؤمنین﴾

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پانچ ساتھیوں کے ساتھ اس دعوت اور اس پیغام کا آغاز فرمایا تو حضرت ابوذر غفاریؓ اسلام قبول کرتے ہیں اور ان کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یہ ابھی آغاز وحی کا تیسرا اور چوتھا سال ہی ہے۔ اس موقع پر ایک اعرابی آتا ہے، اسلام قبول کرتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے یہ کہتے ہیں کہ اپنی بستی میں چلے جاؤ اور انتظار کرو اس وقت کا جب یہ دین غالب ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے سرداروں کو مخاطب فرما کر کہتے ہیں کہ میں تم کو ایک ایسا کلمہ نہ بتادوں کہ جس کو اگر تم مان لو تو پھر عرب اور عجم تمہارے تابع ہوں گے...... پھر وہ وقت کہ سید کائنات جب مکہ چھوڑ کر جارہے ہیں۔ ہجرت کا وقت ہے، بظاہر کسمپرسی کا عالم ہے، اپنے وطن کو چھوڑنا پڑ رہا ہے اور اس وقت سراقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے فرماتے ہیں کہ تمھیں کسریٰ (وقت کی سپر پاور) کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ کیا سخت وقت ہے، کسریٰ کے کنگنوں کا ذکر کس اعتماد کے ساتھ کیا جارہا ہے اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ کسریٰ کے کنگن مال غنیمت میں

آئے اوراس شخص کو پہنائے بھی گئے۔ سبحان اللہ!

تابناک مستقبل کی بات میں کسی خوش فہمی یا شاعرانہ خیال آرائی کی بنا پر نہیں کر رہا، بلکہ اللہ کی کتاب اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ دونوں ہمیں یہ اعتماد اور یقین دلاتے ہیں کہ جو بھی حالات ہوں اور جیسے بھی حالات ہوں، وہ لوگ جنھیں اللہ نے ایمان کی دولت سے مالا مال کیا ہے وہ تابناک مستقبل کے بارے میں کسی غلط فہمی یا مایوسی کا شکار نہیں ہو سکتے۔)(وکان حقا علینا نصر المؤمنین۔ الروم)(حقا علینا ننج المؤمنین۔ یونس)

تاریخ کی گواہی: اگر آپ تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ تاریخ کے نشیب وفراز، قوموں کا عروج وزوال، پستی وبلندی کے مناظر، کامیابی وناکامی کی داستانیں، فتح وشکست کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ، اللہ کے اسی وعدے کا منظر نامہ پیش کرتے ہیں۔ معلوم تاریخ میں کم از کم ۳۶ عظیم تہذیبوں کے اسی سفر کی کہانی ملتی ہے اور عروج کے وقت ہر تہذیب کو یہی گمان تھا کہ اب اس کا کوئی مقابلہ کرنے والا نہیں ہے۔ لیکن پھر چشم فلک نے دیکھا کہ اُسے زوال، انتشار اور شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری اقوام ابھریں اور ''وتلك الایام ندا ولھابین الناس'' کا یہ ابدی اصول برابر چلتا رہا اور چلتا رہے گا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے سچ کہا تھا کہ: کتنے آگے ہیں جو پیچھے رہ جائیں گے اور کتنے پیچھے ہیں جو آگے نکل جائیں گے۔ پوری تاریخ کو چھوڑیئے۔ بہت سے لوگ آج موجود ہیں، جنھوں نے چشم سر سے دیکھا کہ سلطنت برطانیہ کا ایک زمانے میں کیا دبدبہ تھا۔ اسے دنیا کی حکمران قوت ہونے کا زعم تھا۔ غلبہ وبالا دستی کو وہ اپنا مقدر سمجھتی تھی اور غرور کا یہ حال تھا کہ اس نے انگریزی زبان میں اس محاورے کا اضافہ کیا کہ: Sun is never set in the British Empire

چونکہ دنیا کی چوتھائی سرزمین پر اس کی حکمرانی تھی، اس لیے اس کا دعویٰ تھا کہ ہماری حکمرانی میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا۔ ایک جگہ سے غروب ہوتا ہے تو دوسری جگہ سے ابھر آتا ہے۔ لیکن پھر ہم نے دیکھا کہ چند ہی سالوں میں اس کی سلطنت قصۂ پارینہ بن گئی اور کیفیت یہ ہوئی کہ وہ ایک سپر پاور سے سکڑ کر صرف ڈیڑھ جزیرے کی حکومت رہ گئی اور اب تو یہ عالم ہے کہ ہفتوں اس کی قلمروں میں سورج طلوع نہیں ہوتا! اسی طرح دولت برطانیہ نے انگریزی زبان میں اس محاورے کا اضافہ کیا کہ: British rules the waves یعنی دنیا کے سارے سمندروں کے پانی پر ہماری حکمرانی ہے۔ لیکن پھر ہم نے دیکھا کہ: British had to waves the rule یعنی برطانیہ کو حکومت چھوڑنا پڑی اور سمندر اس کی گرفت سے نکل گیا۔ یہ ہیں وہ نشیب وفراز جن میں مغرور کے طلسم کا ٹوٹنا اور مظلوم کا بالاتر قوت بن جانا، یہ سب مناظر دیکھے جا سکتے ہیں۔

ابھی کل کی بات ہے کہ امریکہ اور اشتراکی روس دونوں بڑی طاقتیں (Super Power) تھیں اور دونوں ایک دوسرے سے برابر پنجہ آزمائی کر رہی تھیں۔ کیا آپ بھول گئے کہ روس کے سربراہ مملکت خروشچیف، اقوام متحدہ کے ہال

میں میز پر اپنے جوتے رکھ کر کہتا ہے کہ:I have come to bury captalism (میں یہاں سرمایہ داری کا جنازہ نکالنے آیا ہوں)۔ اور پھر آپ نے دیکھا کہ کس طرح روس منتشر ہو جاتا ہے گویا کہ ایک خاص موقع پر کسی کا حاوی ہونا کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو ابدی (everlasting) سمجھا جائے، اقتدار، غلبہ اور قوت سب بڑی وقتی اور عارضی چیزیں ہیں۔ ہم نے خود اس کا نظارہ کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ایسے ابھی اور بہت سے تجربات اور مناظر ہم دیکھیں گے۔ اس لیے یہ سمجھ لینا کہ اس وقت فلاں غالب ہے تو وہی غالب رہے گا، درست نہیں۔

اپنے ملک کی تاریخ بھی دیکھ لیجیے۔ کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ ایک سر پھرے آمر (اسکندر مرزا) نے مکمل اقتدار کے زعم میں برسر اقتدار آنے کے بعد پہلا بیان یہ دیا تھا کہ ہم ان مولویوں کو کشتیوں میں بٹھا کر سمندر پار بھیج دیں گے۔ لیکن اللہ کی قدرت کو آپ نے دیکھا کہ مولوی تو الحمدللہ وہیں ہیں۔ خود اس کو ایک مہینے کے اندر ملک چھوڑنا پڑا۔ یہاں کون تھا جس نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ''ہماری کرسی مضبوط ہے اور اس کو کوئی نہیں ہلا سکتا'' لیکن کون سی کرسی ہے جو باقی رہ گئی۔ آپ چاہیں وسیع تر تاریخ کے پس منظر میں دیکھیں، خواہ اپنے دور کے عالمی سطح پر رونما ہونے والے نشیب و فراز کو دیکھیں اور خواہ اپنے ملک میں رونما ہونے والی تبدیلیوں پر غور کریں، کہیں بھی مایوسی کے لیے وجہ جواز نظر نہیں آتی۔ اس سے انکار نہیں کہ تاریکی آتی ہے، شکستیں بھی ہوتی ہیں، لیکن ہر نشیب کے بعد فراز اور ہر شکست کے بعد کامیابی کا امکان بھی رونما ہوتا ہے (انّ مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا) کیا خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی بلندیوں کے بعد احد کی ہزیمت نہیں دیکھی؟ کیا حدیبیہ کے بعد فتح مکہ کا منظر رونما نہیں ہوا؟ کیا فتح مکہ کے بعد حنین سے سابقہ پیش نہیں آیا؟ یہ نشیب و فراز، زندگی کی حقیقت ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی کو لے کر یہ سمجھنا کہ اب کچھ ممکن نہیں اور ہمت ہار جانا اور مایوسی میں گرفتار ہو جانا کسی مسلمان کا شیوہ نہیں۔ جس کی نگاہ تاریخ پر ہو، انسانی زندگی کے نشیب و فراز پر ہو، وہ کبھی بھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔ اس کے اوپر قرآن شاہد ہے، سیرت شاہد ہے، پوری تاریخ گواہ ہے اور میرا اور آپ کا تجربہ گواہ ہے۔ تو پھر کیوں ایک خاص وقت کی کیفیت کو ہم مستقبل اور دوام کا درجہ دینے کی غلطی کریں۔ ہمیں چیزوں کو ان کے حقیقی پس منظر میں دیکھنا چاہیے اور اسی کی روشنی میں پھر ہمیں اپنا رویہ اور اپنا کرنے کا کام متعین کرنا چاہیے:

تندئ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب ۔۔۔ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

مزاحمت ــــ اصل طاقت: استعمار کی منصوبہ بندی ہمیشہ سے یہی رہی ہے جس کی تلقین بش معلون اور ان کی ٹیم کر رہی ہے کہ تعلیم کو تبدیل کرو، مدرسوں کو سیکولر رنگ میں رنگو۔ جہاد کا لفظ تو آج نہیں، پہلے دن سے دشمنوں کا ہدف رہا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اسلام پر غالباً دوسری صدی ہجری کے اندر پہلی تنقیدی کتاب جو ایک عیسائی عالم کی طرف سے آئی ہے، اُس میں اصل ہدف جہاد اور نبی اک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک اور جہاد کا تصور ہمیشہ سے اصل ہدف رہے ہیں۔ فرانسیسی، برطانوی، استعماری دور کا مطالعہ کیجیے، سب کے سامنے اصل ہدف جہاد تھا۔ خواہ وہ السنوسی کی تحریک ہو، خواہ وہ الجیریا کے عبدالقادر کی تحریک ہو، خواہ وہ صومالیہ کی تحریک ہو، خواہ براعظم کے شاہ

اسماعیل شہید کی تحریک ہو، ہر جگہ آپ دیکھیں گے کہ جہاد ہی نے استعمار کا راستہ روکا ہے اور جہاد ہی کو استعمار نے ہدف بنایا ہے۔ یہ نئی نہیں پرانی حکمت عملی اور بظاہر معلوم ہوتا ہے پتا نہیں یہ کیا کر لیں گے لیکن جہاد کا تصور ہو یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی سنت کی مرکزی حیثیت دشمن کی ساری یلغار کے باوجود ان پر کوئی دھبہ نہیں آسکا اور نہیں آسکتا۔ جھوٹی نبوتیں تک برپا کی گئیں لیکن دین حق پر کوئی آنچ نہ آئی۔ اسلام کو دبانے کی جتنی کوششیں ہوئیں وہ اتنا ہی مستحکم ہوا:

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے　　　اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

تاریخ میں ہم پر بڑے سخت دور گذرے ہیں۔ شاید سب سے سخت دور، وہ تھا جب چنگیز اور ہلاکو کی فوجوں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی...... لیکن اس کے بعد دیکھیے کہ دو سو سال کے اندر اندر پھر حالات بدل گئے اور انہی تاتاریوں کے دل و دماغ کو اسلام نے مسخر کر لیا، جنھوں نے مسلمانوں کو فتح کیا تھا۔ اسلام نے ان کو فتح کر لیا اور بقول اقبال:

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے　　　پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

وہی تاتار جو مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھا رہے تھے اور شہداء کے سروں سے مینار بناتے تھے، انہی کے ذریعے سے پھر ۴۰۰ سال تک مسلمانوں کی حکمرانی کا نظارہ چشم تاریخ نے دیکھا۔ لہٰذا تاریخ کے نشیب و فراز سے پریشان نہ ہوں بلکہ ان چیلنجز کے مقابلہ کے لیے سینہ سپر ہو جائیں۔ جہاں نام ہی مزاحمت کا ہے، جہاد نام ہے کفر اور ظلم کے غلبے کے خلاف جدوجہد کرنے کا۔ خواہ قلم سے ہو، زبان سے ہو، ذہن سے ہو، مال سے ہو یا جان سے ہو۔ یہ سب اس کی شکلیں ہیں اور اس وقت دشمنوں کا یہی ہدف ہے کہ مسلمانوں میں روح جہاد باقی نہ رہے۔ دینی مدارس کو سب سے بڑا فکری چیلنج جو دور جدید میں درپیش ہے یہی ہے اور اسی کی پاسبانی انھوں نے کرنا ہے، حالات کے آگے سپر نہ ڈالنے کا داعیہ پیدا کرنا ہے اور مقابلے کا جذبہ اور اُمنگ فروغ دینا ہے۔ اقبال نے ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں ابلیس کی اس پریشانی کا اظہار بڑے واضح الفاظ میں کر دیا ہے:

ہے اگر مجھے خطر کوئی تو اس امت سے ہے　　　جس کے خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو

اس لیے اگر آپ مجھ سے ایک لفظ میں پوچھنا چاہتے ہیں کہ دور حاضر کے اس فکری چیلنج کا مقابلہ دینی مدارس کیسے کر سکتے ہیں اور تابناک مستقبل کی ضمانت کیا ہے؟ تو وہ ہے آرزو، وہ ایمان ہے، وہ جذبۂ مزاحمت ہے، وہ یہ احساس ہے کہ ہمیں اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کو قبول کرنا ہے۔ اس کے داعی بننے کے لیے جدوجہد کرنی ہے، اسی سے دنیا اور آخرت میں ہمارا مستقبل روشن ہو سکتا ہے:

یوں اہل توکل کی بسر ہوتی ہے　　　ہر لحہ بلندی پہ نظر ہوتی ہے
گھبرائیں نہ ظلمت سے گذرنے والے　　　آغوش میں ہر شب کے سحر ہوتی ہے

وما علینا الا البلاغ